عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ/اگست ۲۰۱۲ء

زیر سرپرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ دامت برکاتہم

بانی: ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مجلس مشاورت: حاجی شیر حسن صاحب، مفتی آفتاب عالم، مولانا محمد امین دوست
بشیر احمد طارق، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری

مدیر مسئول: ثاقب علی خان

مجلسِ ادارت: ڈاکٹر محمد طارق، محمد الطاف حسین، حافظ عماد الحق، ظہور الہی فاروقی

RegNo.P476

جلد:دھم

شمارہ: 12

فہرست

فی شمارہ: 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک: 200/-روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل: physiologist72@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

www.darwaish.org

مجالس سلیمانی

(انجینئر ثاقب علی خان صاحب)

مندرجہ ذیل موضوعات حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ نے اپنی عصر کی مجالس میں بیان فرمائے ہیں۔ یہ کیسٹوں سے مرتب کرکے بندہ نے لکھے ہیں۔ (ثاقب علی خان)

”مُشتاق“ کے نام کی مناسبت سے بیان

مُشتاق کے نام کی مناسبت سے مندرجہ ذیل بیان فرمایا۔

انسان کسی نہ کسی کا مُشتاق ہوا کرتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام انسان کی مُشتاقی کے غلط رُخ کو پلٹ دیتے ہیں۔ مشتاق بننا ہو تو خدا کے مُشتاق بنو۔ مومن مُشتاق رب ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو بندہ اللہ کے ملنے کو پسند کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے ملنے کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسان کی ضرورتوں کو دیکھ کر دہش وانعامات کے رُخ سے بڑھتے ہیں۔ انسان چیزوں کا مُشتاق بنتا ہے۔ کہیں دل کی لذت کہیں کھانے کی اور کہیں نگاہ کی لذت پوری ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام ایسا گوشہ بتاتے ہیں جہاں سے ہر چیز پوری ہو جائے اور مل جائے۔ کلکتہ میں White Way کا سٹور ہے جہاں سے ہر چیز مل جاتی ہے، ڈبل روٹی چاہئے وہ بھی مل جاتی ہے کپڑا چاہئے۔ اسی طرح ہر ضرورت کی چیز ایک دوکان سے مل جاتی ہے۔ یا تو یہ کہ انسان ضرورت کے لئے ایک ایک دُوکان کا چکر لگائے یا ایک ہی دُوکان پر ساری چیزیں خریدے۔ اسی طرح انسان ہر ایک سے کٹ کٹا کر ایک خدا کا ہو جائے اور حقیقتاً ایک خدا میں تمام ضرورتوں کا پورا ہونا دیکھے۔ اگر کہیں دوسری جگہ سے پورے ہوتے دکھائی دیتی ہیں تو وہ بھی حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی پورا کرتے ہیں۔ صرف ظہور دوسری جگہ سے ہوتا ہے۔ جتنی بھی چیزیں دکھائی دیتی ہیں یہ سب مظاہر قدرت ہیں۔ مظہر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ چھپا ہوا ہے،

وہ نہاں اور باقی سب عیاں ۔مولانا روم فرماتے ہیں ۔

اے خفی الذات محسوس العطاء
انت کا الماء و نحن کالرحاء
انت کا الریح و نحن کا لغبار
یختفی الریح و غبراہ جھار

ترجمہ:اے وہ ذات جو پوشیدہ ہے لیکن اس کی عطاء محسوس ہے ! آپ کی مثال پانی کی ہے اور ہماری مثال چکی کی ہے۔(پانی جو چکی کو چلا رہا ہوتا ہے نظر نہیں آتا لیکن چکی چلتی ہوئی نظر آتی ہے۔) آپ کی مثال ہوا کی ہے جبکہ ہماری مثال غبار کی ہے، ہوا چلتی ہے اور غبار کو اڑاتی ہے۔

تیری مثال ہوا کی ہے اور ہماری مثال غبار کی ہے۔غبار تو دکھائی دیتا ہے۔اور ہوا دکھائی نہیں دیتی ۔لیکن اگر ہوا نہ ہو تو غبار کہاں ہوگا۔انبیاء علیہم السلام دُنیا کے دھوکہ کو کھولتے ہیں دُنیا فراڈ ہے۔کہ ظاہر میں ایک جگہ سے دکھائی دیتا ہے اور حقیقتاً خدا سے ہوتا ہے۔خدا سے ہونے کا یہ یقین دل میں پیدا ہو جائے ، یہ ایمان ہے۔ جب اللہ سے ہماری تمام حاجتیں پوری ہو رہی ہیں۔ روٹی اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔ بیوی اللہ نے دی ہے۔صحت اللہ نے دی ہے۔اور اللہ کے ہاں ہر چیز بے نہایت ہے۔ جب چاہے اور جس وقت چاہے اللہ تمام اسباب کو پیدا فرما دیتے ہیں۔

بس کو چلتا ہوا دیکھا ہوگا۔اگر بس صدر سے یونیورسٹی کی طرف سے آ رہی ہو اور کوئی سائیکل سوار بس کو پکڑ کر ساتھ ساتھ چلے ۔تو جتنی رفتار بس کی ہوگی اُتنی ہی رفتار اس سائیکل سوار کی ہوگی۔وہ God Speed (مزاحاً) پر چلے گا۔تو جو خدا کی بات کو مان کر چلتا ہے۔اس کی مثال اس سائیکل سوار کی ہے۔ جو بس کو پکڑ کر بس کی سمت میں چل رہا ہے۔لیکن جو خدا کے احکام کو توڑ کر اور اللہ کے احکام کے خلاف چلتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جو بس کو پکڑ کر بس کی مخالف سمت میں چلتا ہو۔تو جس طرح یہ

سائیکل سوار دھڑام سے گرے گا۔اسی طرح اللہ کے احکام کے مخالف چلنے والا اس دُنیا میں بھی نقصان اُٹھائے گا اور اُس دُنیا میں بھی۔پہلی اور بنیادی چیز کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا مُشتاق ہوجانا اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہر چیز کو دیکھنا اور اللہ کا ہوکر رہ جانا۔خدا کے در کے ساتھ چمٹ کر اور لپٹ کر اس سے اپنی حاجتوں کو پورا کروانا۔اس حقیقت کا نام ایمان ہے اور یہ ایمان محنت سے آتا ہے اور یہ محنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے۔ایک انفرادی اعمال ہیں اور ایک اجتماعی اعمال ہیں۔اس اُمت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے وہ اعمال دیئے گئے ہیں کہ جن سے تم بھی بنو اور دوسرے بھی بن جائیں۔

اکیلے کھانے والا اچھا ہے یا دس کو کھلانے والا اچھا ہے۔قوموں کو کھلانے والا تو پھر سب سے اچھا ہے۔اور یہ کھلانے والا داعی ہے جو خود بھی اللہ تعالیٰ کا مُشتاق ہے اور اوروں کو بھی اللہ تعالیٰ کا مُشتاق بناتا ہے۔

اگر کسی فن میں مہارت حاصل کرنی ہوتی ہے۔تو اس کے اصول کو جاننا پڑتا ہے اور اس میں اشتغال رکھنا پڑتا ہے۔اور اس اشتغال کو طبیعت کے چاہنے یا نہ چاہنے پر نہ چھوڑا جائے۔بلکہ حصول کی نیت سے اس میں لگا رہے۔تو اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ جو شخص کسی فن کو اصولوں کے ساتھ سیکھتا ہے اور اس میں اشتغال رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اس فن کو کھولتے ہیں۔اور جب چمٹ کر لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ چمٹا کے دیتا ہے۔استقامت کی کلید عزیمت ہے کہ کسی عمل کو جی چاہے پر نہ چھوڑے۔بلکہ ہمت کر کے اس کو کر ڈالے تو اس سے انسان میں وہ قوت ارادی پیدا ہوگی کہ جس کے آگے پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔قوت ارادی کی مضبوطی ممارست (باقاعدہ کرتے رہنا) ہے۔مبتدی کے لئے ارادہ کی پختگی کے لئے ابتدائی منزل میں آسان طریقہ یہ ہے کہ جب کسی خیر کا ارادہ کرے اس کو مؤخر نہ کرے بلکہ جس وقت کسی خیر کا ارادہ ہو فوراً اس پر عمل کرے۔تاخیر

ارادہ سے ضعف پیدا ہوتا ہے۔ شیطان بھی درمیان میں اڑنگا اُڑاتا ہے اور نفس بھی اپنی چلاتا ہے۔ مثال کے طور پر جی نے چاہا کہ دو رکعت نفل پڑھ لوں۔ تو جائز وقت کے اندر فوراً پڑھ لے۔ تاخیر نہ کرے۔ شیطان کا ایک مکر یہ ہے کہ اول تو نیکی پر آنے نہیں دیتا اور جب کوئی نیکی پر آتا ہے تو اس کو ڈھیل دینے کی کوشش کرتا ہے۔

جب شیطان کسی نیک عمل کے کرنے میں ڈھیل دینے کا وسوسہ ڈالتا ہو۔ تو اس کو کہو کہ تو اپنی طاقت آزما اور ہم اپنی طاقت آزمائیں گے۔ ایسی حالت نہ ہو کہ

ہر شبے گویم کہ فردا ترک این سودا کنم

باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

ترجمہ: ہر رات یہ کہتا ہوں کہ کل یہ کام چھوڑ دوں گا لیکن جب کل ہوتا ہے تو پھر آج کو کل کر دیتا ہوں۔

بلکہ معاملہ ایسا ہو جیسے دُوکاندار کا معمول ہوتا ہے کہ آج نقد کل اُدھار۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ کا قول ہے کہ ایک بزرگ استنجا کیلئے تشریف لے گئے۔ خادم بھی ساتھ تھا۔ بیت الخلاء کے اندر سے خادم سے کہا کہ یہ قمیص فلاں کو دے دو۔ بعد میں خادم نے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت تھی کہ بیت الخلاء سے نکلنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ کہا کہ میرے دل میں یہ بات آئی کہ یہ قمیص فلاں کو دے دوں۔ تو ہوسکتا تھا کہ باہر نکلنے کے بعد نیت بدل جاتی اسلئے فوراً عمل کیا کہ بعد میں شیطان کہیں اپنی نہ چلائے۔ دودھ کے پھٹنے، خاوند کی طبیعت بدلنے اور انسان کی نیت کے بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس بات کی کیا گارنٹی تھی کہ میں بیت الخلاء سے باہر زندہ نکل سکوں گا۔ اپنے ہاتھ کا مُٹھی بھر دیا ہوا مرنے کے بعد پہاڑ کے برابر دینے سے بہتر ہے۔ نفسیات کے لحاظ سے بھی یہ بات ہے کہ قوت عمل کے حصول کے لئے ارادہ کی پختگی کی

ضرورت ہے۔ ورنہ ارادہ کو مؤخر کرتے چلے جاؤ گے تو ارادہ میں دیمک لگ جائے گا۔ انسان میں اللہ تعالیٰ نے جو صفات رکھی ہیں ہر صفت اپنے رُخ پر عمل کرتی ہے۔

نفس کی مثال دودھ پیتے بچہ کی سی ہے۔ جس طرح بچہ کو ماں زبردستی دودھ سے نہ چھڑائے وہ دودھ پینا بند نہیں کرتا۔ اسی طرح انسان عمل پر بغیر عزیمت کے نہیں پڑتا۔ انسان کا نیکی کا پختہ ارادہ کرنے پر توفیقات الٰہی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ جب آپ پختہ ارادہ کریں گے تو ارادہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو جائے گی۔ شر کا ارادہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی رضا شامل حال نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ کو پکڑ کر اس شر کے کرنے سے روکے گا بھی نہیں۔ کیونکہ پھر خیر و شر کی حکمت کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ . (الکہف: ۲۹)

ترجمہ: پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے۔

اللہ تعالیٰ کفر کو پسند نہیں کرتے لیکن جب کوئی خود اپنی رضا سے کافر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بھی کہتے ہیں جاؤ اپنا سر کھاؤ۔ ارادہ وہ چیز ہے جس کا انسان کو مکلّف (ذمہ دار) بنایا گیا ہے۔ جب انسان ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ عطا کے دروازے کھولتا ہے۔ ارادہ میں پختگی پیدا کرو جب ارادہ خیر کا ہو اس میں دیر نہ کرو۔

”درکار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست“

ترجمہ: نیک کام میں کسی استخارے کی حاجت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کا نام استخارہ ہے تو جب خیر ہی کر رہا ہے تو اس میں استخارہ کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت زین العابدینؒ بہت بڑے سخی تھے۔ بہت جواد تھے۔ سادات کی صفت ہی جود وسخا ہے۔ اُنہوں نے کسی کی دعوت کی اور بہت کچھ

سامان اور خوراک تیار کی۔ اس آدمی نے کہا کہ **لا خیر فی الاسراف**: کہ اسراف میں کوئی خیر و نیکی نہیں۔ حضرت نے اس کا جواب یوں دیا۔ کہ **لا اسراف فی الخیر**۔ کہ نیکی کرنے میں اسراف ہی نہیں، جتنی زیادہ نیکی ہو اُتنا ہی اچھا ہے۔

پختگی کی بنا پر اللہ کی توفیقات مُیسر آتی ہیں۔ اگر راستہ سے کوئی ایذاء کی چیز ہٹا سکتے ہو اس کو بھی ہٹاؤ۔ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو معمولی نہ سمجھو اور نہ چھوٹے سے چھوٹے گُناہ کو معمولی جانو۔ پیسے پر پیسے جمع کرتے جاؤ گے تو مالدار ہو جاؤ گے۔ پتھر پر پتھر رکھو گے تو عمارت بن جائے گی۔ نیکی پر نیکی کرو گے تو متقی ہو جاؤ گے۔ اسی طرح ارادہ پختہ کرنے کے بعد اس میں سستی نہ ہو۔ اگر اس میں سستی آنے لگے تو سستی کا علاج چستی ہے۔ مثلاً فجر کی نماز کے لئے اُٹھنا ہے۔ شیطان خوب محنت کرتا ہے کہ سوتے رہو، رات بہت لمبی ہے، ابھی فجر ہونے میں کافی وقت باقی ہے۔ اسی طرح شیطان فجر کی نماز قضا کرا دیتا ہے۔ اقبال کہتا ہے۔

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

طبع آزاد پہ قید رمضان بھاری ہے
تم ہی کہہ دو یہی آئین وفاداری ہے؟

فجر کے وقت فوراً کود پڑو، اچھل پڑو۔ ایک دفعہ جب سستی ہو جاتی ہے تو یہ سستی سستی کو کھینچتی ہے اور غفلت پختہ ہوتے ہوتے آخر توفیق خیر سلب ہو جاتی ہے۔ ایک دن سستی ہوگئی، ندامت کے آنسو بہ گئے تو اس ندامت قلبی سے شیطان کا پیچھا چھوٹے گا۔ شیطان یہ نہیں چاہتا کہ تم نیک بن جاؤ اگر تم نیکی پر جمے ہوئے ہو تو بڑی نیکی سے چھوٹی نیکی پر لانے کی کوشش کرے گا۔

حضرت امیر معاویہؓ ایک رات سوئے ہوئے تھے کہ تہجد کے وقت کسی نے پاؤں ہلائے کہ امیر المؤمنین اُٹھیئے تہجد کا وقت ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ بہت زیرک تھے فوراً ہاتھ پکڑ لیا پوچھا کون ہو؟ اس نے کہا کہ خادم ہوں۔ فرمایا کہ ٹھیک ٹھیک بتا۔ تو یہاں تک کیسے پہنچا؟ آخر جب خوب تنگ کیا تو کہا کہ میں ابلیس ہوں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ تیرا نماز پڑھوانے کے ساتھ کیا تعلق؟ کہا کہ تو امیر المؤمنین ہے میں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ تیری تہجد کی نماز قضا ہو جائے۔ کہا کہ سچ سچ بتاؤ کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ کہا کہ پچھلی رات جو تیری تہجد قضا ہو گئی تھی اور اس پر جو ندامت اور پشیمانی تم کو ہو گئی۔ اس کا ثواب تہجد کے پڑھنے سے کئی گُنا زیادہ مل گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر اس رات پھر قضا ہو گئی تو مزید ندامت اور پشیمانی کی وجہ سے پھر بہت زیادہ ثواب ملے گا۔ اس لئے آپ کو اُٹھایا کہ تہجد میں اس ثواب سے جو نہ پڑھنے کی اور ندامت کی وجہ سے آپ کو ملتا کم ثواب مل جائے گا۔ شیطان کا کام پتنگ کے کاٹنے کی طرح ہے۔ جیسے پتنگ کو کاٹتے ہیں پھر اس کو پکڑتے ہیں۔ پکڑنے کے مقابلے میں جب ایک پکڑ نہ سکے تو ایسا ہاتھ مارتا ہے کہ پتنگ پھٹ جاتی ہے اور کسی کے کام نہیں آتی۔ یہی حال شیطان کا ہے اولاً تو نیکی کو کرنے نہیں دیتا اور کوئی کرنے لگ جاتا ہے تو اُس کو خراب کر دیتا ہے۔ قرآن میں آتا ہے کہ تم مکہ کے اس بوڑھی عورت کی طرح نہ ہو جا۔ کہ سارا دن سوت کاتتی تھی اور رات کو اس کو کاٹ دیتی تھی۔

موضوع: خشیت الٰہی کے متعلق بیان

لوہے کو آگ میں ڈالو تو سرخ ہو جائے گا اور اسی سرخی سے اس میں نرمی پیدا ہو جائے گی۔ اب ہتھوڑا مارو گے اور جس صورت میں بدلنا چاہو گے تو بدل

جائے گا۔ اسی طرح دل کو سمجھو لوہا اور خشیت الٰہی کو قرار دو آگ اور ذکر الٰہی کو قرار دو ہتھوڑا۔ خشیت ربانی میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کو دل میں اتار دو، دل نرما جائے گا اور نرما کر اس رخ پر آجائے گا جس رخ پر اللہ تعالیٰ اس کو چاہتا ہے دل کی قساوت (سختی) خشیت الٰہی سے نکل جائے گی۔ خشیت وہ آگ ہے جو دل کو نرما کر اُس کی قساوت کو نکال دیتی ہے۔ جب قساوت قلبی نکل جائے گی تو خشوع اور نرمی آجائے گی لینت (نرمی) اور خشوع قساوت کے نکل جانے کے بعد پیدا ہوتی ہے قرآن کہتا ہے۔

الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع قلو بھم لذکر اللہ. (الحدید۔۱۶)

ترجمہ: کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں پر کو کہ گڑ گڑائیں اُن کے دل اللہ کی یاد سے۔ (معارف القرآن)

گویا ذکر کلید خشوع ہے اور خشیت بھی کلید لینت اور خشوع ہے پس حاصل کیا ہوا دل میں نرمی اور خشوع کو پیدا کرنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوگی ایک خشیت اور ایک ذکر، ذکر تو یاد سے یعنی اللہ کے نام کو رٹنے سے پیدا ہو جائے گا لیکن اس کی تاثیر خشیت سے متحقق ہوگی نتیجہ یہ ہوا کہ دل میں نرمی اور خشوع کو پیدا کرنے کے لئے بیک وقت خشیت بھی چاہیے اور ذکر بھی۔ خشیت کی کلید عظمت الٰہیہ ہے اور عظمت الٰہی کی کلید اللہ تعالیٰ کی صفات جلالی کا استحضار ہے اور قرآن کریم کی ان آیات کا استحضار (دھیان) ہے جن میں آخرت کے احوال حشر و نشر و قبر و دوزخ اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کے عذابوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار آیتوں میں اپنے مختلف قسم کے عذابوں کے ہولناک مناظر کھینچے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ دل کو نرمانے کے لئے ذکر الٰہی کی ضرورت اور دوسری

بات یہ ہے کہ قساوت قلبی کو دور کرنے کیلئے خشیت الٰہی کی ضرورت اور اللہ تعالیٰ کی خشیت پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظمت کی ضرورت ہے جو اللہ تعالیٰ کی جلالی صفات کے استحضار اور ان قرآنی آیات کی تلاوت جن میں اللہ تعالیٰ کے ہولناک عذابوں کا ذکر ہے سے پیدا ہوگی۔ ذکر سے اللہ تعالیٰ کی محبت تو پیدا ہو جاتی ہے لیکن صرف محبت سے بعض اوقات گناہوں سے بچنا مشکل ہوتا ہے اس لئے گناہوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی خشیت کی بریک لگانی چاہئے۔ حضرت سید صاحبؒ نے پہلی ملاقات میں ۱۳ دسمبر ۱۹۵۰ء کو مجھے فرمایا:

کہ خشیت و محبت دین کی دو بنیادی چیزیں ہیں جن کے بغیر ایمان کا کمال نصیب نہیں ہوتا۔

الا یمان بین الخوف و الرجاء

ایمان خوف واُمید کے درمیان ہے۔ (سزا کا خوف اور مغفرت کی امید۔)

موضوع: دل بنانے کا آسان راستہ

دل کے بنانے کا سب سے آسان راستہ اور طریقہ یہ ہے کہ دل کی چاہت اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دو جب اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی رضا دل کی چاہت بن جائے گی تو دل وہی عمل کرے گا جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے جب رب چاہے پر چلو گے تو نفسانی سے ربانی بن جاؤ گے قرآن میں بھی آتا ہے۔ کونوا ربانیین کہ رب والے بن جاؤ دل کا محبوب و مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی ذات کو بنا لو دل کو لگاؤ اللہ سے اور دل میں بسا لو اللہ تعالیٰ کو اس دل کو ربانی بنانے کے لئے کچھ محنت کرنی پڑے گی اور یہی وہ آزمائش ہے دل کے بننے

کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو انسانوں کا محبوب قرار دیا لیکن ہم کبھی مرغی سے اور کبھی مچھر سے پیار کرتے ہیں قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ o (ال عمران:۱۴)

خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے، نمبر (یعنی نشان) لگے ہوئے گھوڑے ہوئے (اُس زمانے میں سرکاری گھوڑوں کی پُٹھ پر نشان لگے ہوتے تھے)، (یا دوسرے) مواشی ہوئے اور زراعت ہوئی (لیکن) یہ سب استعمال کی چیزیں ہیں دنیوی زندگانی کی اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزوں میں کھچاؤ کی خصوصیت رکھی ہے کہ وہ دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ دل کو مقناطیس محبت بنایا اور دنیا کی چیزوں کی سوئیاں چاروں طرف پھیلا دیں۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت، غم سے بھر نہ آئے کیوں

انسان کو ان دنیاوی چیزوں کی سوئیوں سے اپنی حفاظت کرنی ہوگی۔ اگر انسان نے اپنے دل کی حفاظت کی تو معاملہ بن گیا اور اگر یہ سوئیاں دل میں اٹک گئیں تو یہ انسان کا بیڑہ ڈبو دیں گی اور یہ سوئیاں دل کے اندر پیوست ہو کر اس کو زنگ آلود کر دیں گی جب دل میں دھیان وخیال ان دنیا کی چیزوں کا رچ بس جائے گا تو طبیعتیں ان چیزوں کا اثر قبول کر لیں گی۔ اور پھر آہستہ آہستہ پورا جسم اُن کے مطابق ہو جائے گا جو چاہت اللہ تعالیٰ کی طرف مرکوز کرنی تھی وہ دوسرے رخ

پر چلی گئی ،صوفیا دل کو ان آلائیشوں سے پاک کرنے کے لئے یہ دعا کرتے رہتے ہیں۔

آللھم نور قلبی بنور معرفتک و فرغ قلبی عن غیرک

اے اللہ اپنی معرفت کے نور سے میرے قلب کو منور فرما اور میرے دل کو ہر غیر سے پاک فرما۔

فراغت غیر جو ہے یہ حقیقت میں شفاء دل ہے اور اللہ تعالیٰ کا دل میں بس جانا حقیقیت میں انسان کے دل کا بن جانا ہے انسان کہتا ہے کیا کروں کیا ہو،کیا نہ ہوانسان ہر وقت ادھیڑ بُن میں رہتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فکر نہ کرو صرف مجھے اپنا مطلوب مقصود و محبوب بنالو اور مجھے اپنے دل کا مرکز بنالو۔پھر جو میں چاہوں گا وہ کروں گا اور جب رب محبوب و مقصود ہوگا تو پھر اس کا ہر پروگرام بھی محبوب و مقصود ہوگا۔ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات عالی مقصودیت اور مطلوبیت کے درجہ میں نہیں ہے تو ایک ایک قدم اٹھانا بھی بہت بھاری اور بہت دشوار ہے آجکل ہم شریعت پر کیوں نہیں چلتے شریعت تو مشکل نہیں لیکن ہم کو اس لئے مشکل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ورنہ جو چیز محبوب بن جاتی ہے اس کے لئے جان دینا بھی آسان ہوتا ہے بس انسان ایسی کوشش کرے کہ دل کے اندر خداوند قدوس کی ذات پھنس ،دھنس جائے جو اگر کوشش کرے بھی ،تو نہ نکال سکے۔اللہ تعالیٰ کی یاد و ذات دل میں ایسی پیوست ہو جائے کہ دل میں ایک کھٹک محسوس ہوتی ہو۔

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

جو پھانس اندر جاتی ہے تو جب تک اندر ہوتی ہے انسان کو محسوس ہوتی ہے ایسی اللہ تعالیٰ کی محبت کی پھانس دل میں اٹک جائے۔ ایمان کے بعد اللہ کی یاد کو دل میں بسانے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک عمل صالح اور دوسری چیز اللہ کے پورے دھیان کے ساتھ اس کا ذکر۔ ہم جو ذکر کرتے ہیں وہ متنبّیؔ (عربی شاعر کا نام) کے ملامت گر کی طرح ہے کہ جو شعر میں کہتا ہے کہ لوگوں کی ملامتیں تو دل کے اوپر اوپر ہیں اور اس کی محبت دل کے اندر ہے۔
حضرت سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں۔

دور باش افکار باطل دور باش اغیار دل
سج رہا ہے شاہ خوبان کے لئے بازار دل
جمع وہ سامان ہو جس کی خریداری بھی ہو
سوچ کرائے دل لگانا چاہیئے بازار دل

ہمارا دل اللہ تعالیٰ کا بازار ہے ہم اس دل میں وہ چیزیں رکھ دیں جن کو اللہ تعالیٰ خریدے ہم نے اللہ کی مرضیات اور محبوب چیزوں کی جگہ پر دل میں کوڑا کرکٹ جمع کیا ہے۔ پس ذکر جو ہو وہ مع الفکر اور دھیان کے ساتھ ہو۔ شاہ عبدالعزیز دعا جوؒ نے مجھے ایک مرتبہ فرمایا۔ کہ ہر نماز کے بعد ایک سانس میں گیارہ مرتبہ اللہ اللہ کہو۔ اور اس دھیان کے ساتھ کہو کہ اللہ محبت سے میرے دل کے طرف دیکھ رہے ہیں۔ انشاء اللہ اس سے اللہ کا دھیان نصیب ہوگا۔ ذکر میں سب سے بڑی اور اہم بات جو ہے وہ توجہ الی المذکور ہے اور اگر توجہ الی المذکور (اللہ) نہ ہو تو پھر توجہ الی لذکر ہونی چاہیئے ہم ذکر کے وقت ذاکر نہیں ہوتے۔ جس طرح نشانہ باز نشانہ لگاتے ہیں اور ہدف پر ایک بھی نہ لگے تو سارے نشانے بیکار

ہو جائینگے۔ اسی طرح ذکر کا ہدف اللہ کی ذات یا دل ہے اگر اللہ کی ذات کی طرف توجہ نہیں جمتی ہے تو یہ سمجھو کہ دل پر نورانی کلمات کے ساتھ اللہ لکھا ہوا ہے۔

اقبال کہتا ہے:

نویس اللہ بر لوح دل من

ترجمہ: میرے دل کی تختی پر اللہ لکھ دو۔

جیسے مجنون لیلیٰ کے نام سے عشق کرتا تھا اور لیلیٰ کا نام لکھا کرتا تھا۔ کسی نے پوچھا مجنون کیا کرتے ہو۔

"گفت مشق نام لیلیٰ می کنم
خاطرِ خودرا تسلی مے دہم"

کہا کہ اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے لیلیٰ کے نام کی مشق کرتا ہوں۔ اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ کے نام کی مشق کریں لفظ اللہ بھی اگر دل پر آ جائے تو بہت بڑی دولت ہے۔

جس طرح لیلیٰ کا نام دال ہے (دلیل دیتا ہے) ذات لیلیٰ پر اسی طرح لفظ اللہ دال ہے اللہ کی ذات پر۔ لفظ کے پیچھے حقیقت ہوتی ہے، اسم کے پیچھے مسمیٰ ہوتا ہے۔ اللہ کا نام لو گے تو برکت آئے گی۔

تبارک اسم ربک ذو الجلال والاکرام (الرحمٰن۔۷۸)

اللہ تعالیٰ کے نام کو پکارتے رہو گے تو دل میں اترتا چلا جائے گا ذکر الٰہی ایک برما ہے جس سے برادہ (غیر) نکلے گا۔ اور ذکر الٰہی کا اور یادحق کا سوراخ اندر بنتا جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ملفوظاتِ شیخ 〈ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ〉 (قسط۔۴۴)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

جب کوئی قوم کسی ایک نظریے پر زندگی گزارنا شروع کردے تو اس نظریے کے تحت اور اس کی روشنی میں ان کے سارے نظام وجود میں آتے ھیں:

فرمایا کہ دُنیا میں لوگوں کے منظّم ہونے کی مختلف بنیادیں ہوتی ہیں۔انسان ایسا جاندار ہے جو گروہ بنا کر اکٹھا رہنا چاہتا ہے۔گروہوں کے اکٹھا ہونے کی بنیادیں ہوا کرتی ہیں۔یہ بنیادیں ،رنگ ونسل ہوتے ہیں ، رنگ پر جمع ہوگئے....کالے سفید،نسل پر جمع ہوگئے.... یورپی ،ایشیائی فلانے وغیرہ۔زبان ہوگئی....اُردو بولنے والے ، پشتو بولنے والے،عربی بولنے والے،انگریزی بولنے والے۔علاقوں پر اکٹھے ہوتے ہیں۔تو رنگ ، زبان ،نسل اور علاقے ، یہ بنیادیں ہوتی ہیں جس پر لوگ جمع ہوکر گروہ بناتے ہیں۔اور ایک بنیاد نظریات کی ہوتی ہیں۔جس وقت کہ سوشلزم کا نظریہ آیا ،اس نے لوگوں کو منظّم کرلیا۔کمیونزم کے نظریے نے انسانوں کو منظّم کرلیا۔پہلے دور میں ہٹلر نے نیشنلزم پر لوگوں کو منظّم کیا یعنی جرمن قومیت پرستی پر۔اس کے مقابلے میں اتحادیوں نے یعنی برطانیہ،فرانس وغیرہ نے Patriotism یعنی حب الوطنی کے نظریے پر لوگوں کو منظّم کیا۔ان میں سب سے مضبوط بنیاد جو انسانوں کو گروہ بناتی ہے وہ مذاہب ہوتے ہیں۔جس پر انسانوں کا مقدس عقیدہ ہوتا ہے۔وہ پاک ،مقدس اور زبردست وابستگی والا عقیدہ ہوتا ہے۔تو سب سے زیادہ انسانوں کو منظّم کرنے کی بنیادیں جو ملتی ہیں وہ مذاہب سے ملتی ہیں۔

ہمیشہ کے لیے جب کوئی قوم کسی ایک نظریے پر زندگی گزارنا شروع کردے تو اس

نظریے کے تحت اور اس کی روشنی میں ان کے سارے نظام وجود میں آتے ہیں۔ اس کے تحت ایک Culture، ایک Civilization، ایک ثقافت، ایک تہذیب وجود میں آتی ہے۔ جس کے تحت ان کے عادات واطوار وجود میں آتے ہیں۔ قدریں (Values) وجود میں آتی ہیں۔ یہ چیزیں ان کی نفسیات پر چھا جاتی ہیں کیونکہ ان کے ساتھ ان کا نفسیاتی، جذباتی تعلق ہو جاتا ہے۔ کوئی مسلمان ہو، پٹھان ہو، اس کے گھر کی عورت پر کوئی ہاتھ ڈالے تو اتنا جذبات میں آتا ہے کہ اپنی جان دینے کے لیے یا کسی کی جان لینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ جس Culture میں پلا ہے اس میں غیرت و حیا کی قدریں ہیں۔ ان Values اور عادات کے پیشِ نظر جب کوئی خاص حالات آجائیں تو ان سے مجبور ہو کر وہ ردِ عمل کرے گا اور ایسا جذبے میں آکر استعمال ہوگا کہ انتہائی اہم فیصلے کر لے گا اور کچھ بھی کرنے کے لئے اور مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ اس کی تہذیب و ثقافت ہے، یہ اس کی عادات واطوار ہیں اور اس کی نفسیات اور جذبات ہیں۔

توبہ، صدقہ اور روزہ مشکلات کے پہاڑ توڑ کر میدان ہموار کر دیتے ہیں:

فرمایا کہ یہ ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے۔ بندے کا لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں بطور ڈاکٹر کام کرنے کا پہلا سال تھا۔ ہسپتال کے پاس مسجد تھی، اس میں ہم نماز پڑھتے تھے۔ اس کے امام فارغ التحصیل عالم تھے۔ ایک دن انہوں نے کہا: ڈاکٹر صاحب میرے ساتھی کو چار مہینوں کی میڈیکل چھٹی کا سرٹیفکیٹ دے دو۔ بندے نے کہا کہ یہ تو جھوٹ ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا یہ جھوٹ نہیں ہے یہ ضرورت کے لئے وسیلہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کافروں سے جان چھڑانے کے لئے اِنِّیْ سَقِیْم میں بیمار ہوں کہا تھا۔ بندہ ان کی باتوں میں آگیا اور

چھوٹتے ہی پورے چار مہینے کا سرٹیفکیٹ لکھ دیا۔ ناتجربہ کار ہونے کی وجہ سے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ مسلسل چار مہینے کا سٹیفکیٹ یک بارگی نہیں دیتے۔ خیر یہ سٹیفکیٹ ہسپتال کے انچارج ایم ایس کے پاس وضاحت کے لئے آیا۔ ایم ایس نے بندہ کو بلایا اور پوچھا ڈاکٹر صاحب یہ سٹیفکیٹ آپ نے دیا ہے؟ بندہ نے کہا جی ہاں میں نے دیا ہے۔ اس نے پوچھا کتنے پیسے لئے ہیں؟ میں نے کہا پیسے تو نہیں لئے۔ اس نے کہا دیکھیں آپ سیدھے سادھے آدمی ہیں، یہ پیسے کسی کمپاؤنڈر نے لئے ہوں گے اور سٹیفکیٹ آپ سے بنوایا ہوگا۔ بندہ نے کہا ایسی بات بھی نہیں ہے یہ آدمی... بندے کا واقف تھا اس لئے بنا دیا۔ اس پر ایم ایس نے کہا ڈاکٹر صاحب یہ ایسا جرم ہے کہ اس پر آپ کی ڈگری ختم ہوسکتی ہے، آپ کی ملازمت ختم ہوسکتی ہے۔ خیر یہ ایم ایس سید امیر علی شاہ صاحب، بندے کے والد صاحب کے مہربان دوست جو اہلِ سادات میں سے تھے، ان کے واقف تھے۔ انہوں نے اسے میرا خیال رکھنے کا کہا ہوا تھا۔ امیر علی شاہ صاحب نے بندے کو نصیحت کر کے رخصت کر دیا اور کیس اپنے پاس رکھ لیا۔

بندہ نے واپس آکر غور و فکر کیا کہ ایک کام ایک مولوی صاحب کے کہنے پر خدمتِ خلق کے لئے کیا تھا اُس پر پکڑ ہوگئی حالانکہ عمومی تجربہ تھا کہ بندے نے جو خدمتِ خلق کے کام کئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے بہت آسانیاں اور برکتیں نصیب فرمائیں۔ بندے کو خیال ہوا کہ اس عمل میں کوئی گڑبڑ ضرور ہوگئی ہے جس کی وجہ سے حالات مشکل ہوگئے۔ بندے نے معلومات اور تحقیقات کیں۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان کی کتاب ''گناہِ بے لذت'' میں لکھا ہوا تھا کہ جھوٹا سٹیفکیٹ دینا جھوٹی گواہی ہے، جس کا گناہ دو دفعہ بدکاری کے برابر ہے۔ بہت افسوس ہوا۔ خاص طور پر اس مولوی صاحب پر جس نے ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کا حوالہ دے کر بندے کو متاثر کیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ بعض مولوی

صاحبان بہت بے احتیاط ہوتے ہیں۔ ان کی نظر میں تاویلات، حیلے ہی ہوتے ہیں اور باوجود استعداد نہ ہونے کے خود استنباط کرتے ہیں (یعنی مسائل اخذ کر کے بیان کرتے ہیں جبکہ قرآن وحدیث سے براہِ راست مسائل اخذ کرنے کے لئے آدمی کے اندر ایک مجتہد کی قابلیت ہونی چاہئے)۔ خوفِ خدا نہ ہونے کی وجہ سے کوئی غم فکر ہی نہیں۔

خیر بندہ نے سوچا کہ خطا کا علاج استغفار ہے۔ اس لئے فوراً صلوٰۃِ توبہ پڑھی، سات روزے جرمانے کے منت کئے اور تیس روپے خیرات کئے، اس دور میں سونا تقریباً چار پانچ سو روپے تولہ تھا۔ چند دن بعد بندہ کا انٹرویو اُس ایم ایس صاحب کے ساتھ تھا اور جونیئر ہاؤس آفیسر سے سینئیر ہاؤس آفیسر کی ترقی ہونی تھی۔ استغفار کے بعد تسلی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی۔ پیشی ہوئی... ایم ایس صاحب نے سلیکشن کمیٹی سے بندے کا تعارف کرواتے ہوئے کہا یہ ڈاکٹر فدا ہے جس کی عادت جھوٹے سٹرفکیٹ دینے کی ہے۔ ایک سٹرفکیٹ دینے کو انہوں نے عادت کہہ دیا۔ خیر بندہ نے جس کنسلٹنٹ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کام کیا تھا وہ بول پڑے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایسا آدمی ہے کہ جو یا وارڈ میں ہوتا ہے یا پھر مسجد نماز کے لئے جاتا ہے، اور ایک دن شبِ جمعہ تبلیغی اجتماع میں جاتا ہے۔ یہ اس کے ساتھ کسی نے دھوکہ کیا ہے، یہ خود قطعاً ایسا آدمی نہیں ہے۔ دوسرا بولا تمہارا مطلب یہ ہے کہ یہ بادشاہ سا آدمی ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ بس سب نے متفقہ سینئیر ہاؤس جاب کا فیصلہ کرلیا اور کیس بالکل رَفع دَفع کر دیا۔ واقعی توبہ، صدقہ اور روزہ مشکلات کے پہاڑ توڑ کر میدان ہموار کر دیتے ہیں۔

نظامِ معشیت اور نظامِ ہدایت:

فرمایا کہ زندہ اور مردہ انسانوں کی جتنی ضروریات ہیں اُن سب کے پورا کرنے کی استعداد اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کے اندر رکھ دی اور ایک بار پیدا کر کے قیامت تک کے

سارے زندہ مردہ انسانوں کیلئے کافی کردیا کہ زمین انسان کی ساری ضروریات کو پورا کرے گی۔ اِس کی کوئی ضرورت چاند کے ساتھ متعلق نہیں ہے، مریخ کے ساتھ متعلق نہیں ہے لٰہذا جتنی کوششیں چانداور مریخ پر پہنچنے کی ہوئیں اسکے نتیجے میں انسان کو اپنے مقصد کی کوئی چیز وہاں سے نہیں ملی۔ اِس کی ساری ضروریات کو قرآن پاک بتارہا ہے کہ زمین نے پورا کرنا ہے خواہ وہ زندوں کی ضرورت ہے، خواہ وہ مردوں کی ضرورت ہے۔ یہ اللہ پاک نے نظامِ معیشت بنا کر انسان کو دے دیا اور انسان کے اندر ایک استعداد رکھ دی۔ **وعلم ادم اسماء کلھا**، انسان کو اللہ پاک نے ساری چیزوں کے نام سِکھائے، ہمارے شیخ و مربی جن سے ہم نے یہ علم سیکھا (حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ) وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ صرف چیزوں کے نام نہیں ہیں کہ یہ شہتوت ہے، یہ بکائن ہے، یہ شیشم ہے یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے بلکہ انسان کے دماغ کے اندر اللہ نے صلاحیت اور استعداد رکھ دی چیزوں پر غور وفکر کرکے، چیزوں کو استعمال کرکے، جوڑ توڑ کرکے اپنی ساری ضروریات کو پورا کرنے کی۔ یہ وہ علم تھا جو انسان کو دے دیا جس کے نتیجے میں انسان اِن چیزوں سے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے فائدہ لیتا ہے۔ زمین کو صلاحیت دی ہے یہ اِس کیلئے قیامت تک کیلئے کافی ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًاo اَحْيَاءً وَّ اَمْوَاتًاo (مرسلٰت: ۲۶،۲۵)

ترجمہ: کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی زندوں کو اور مُردوں کو۔ (معارف القرآن)

اے انسانو! کیا میں نے زمین کو سب زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا.....؟

دوسری بات نظامِ ہدایت ہے کہ اگر اس کی رہنمائی نہ ہو تو یہ اپنے نفس کی خواہشات کے تحت چلے گا۔ دنیا کے وسائل کو سمیٹنے کیلئے، ان کو جمع کرنے کیلئے اُن پر لڑے گا، مرے گا، فسادات کرے گا، پریشانیاں پیدا کرے گا۔ اپنی زندگی کو بھی جہنم بنائے گا اور دوسروں کی

زندگیوں کو بھی جہنم بنائے گا۔اس لئے اِس کیلئے اللہ نے نظامِ ہدایت چلایا اور نظامِ ہدایت کیلئے انبیاء علیہم السلام جیسی معیاری شخصیات کو بھیجا۔کوئی پیغمبر جب معاشرے میں اپنی نبوت کا دعویٰ کرتا تھا تو اُس کے پاس اِس بات کا ثبوت ہوتا تھا کہ وہ اُس علاقے کے سب سے بہترین اور معزز خاندان میں سے ہوتا ہے۔وہ صحت کے لحاظ سے اُس معاشرے میں سب سے زیادہ صحت مند انسان ہوتا ہے۔سب سے خوبصورت ترین انسان اور فہم و فراست اور I.Q کے لحاظ سے نمبر ایک شخصیت کا مالک یعنی کسی معاشرے میں، کسی پیغمبر نے جب نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو کوئی آدمی یہ نہ کہہ سکا کہ یہ خاندانی شرافت کے لحاظ سے، بدنی وجاہت کے لحاظ سے اور ذہنی استعداد کے لحاظ سے کمتر ہے یا ہم سے پیچھے ہے۔ہم اس سے بڑھ کر ہیں....کوئی نہ کہہ سکا، صرف دو اعتراضات قرآن پاک میں آتے ہیں۔ایک حضور ﷺ پر کیا ہے کفار نے، کہا کہ یہ مال دار خاندان سے نہیں ہے۔طائف کے یا مکہ کے کسی مالدار خاندان کا آدمی نبی ہوا ہوتا۔دوسرا جس وقت طالوتؒ کو بادشاہ بنایا ہے اُن پر اعتراض کیا کہ یہ مالدار خاندان سے نہیں ہے تو اُس کا جواب اللہ نے دیا ہے کہ

وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ (البقرہ:۲۴۷)

ترجمہ: اور زیادہ فراخی دی اُس کو علم اور جسم میں۔ (معارف القرآن)

طالوت تمہارے درمیان جسمانی اور علمی استعداد کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہے۔اِس چیز کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے مال اِس کے تابع ہوتا ہے۔تو انبیاء اُس معاشرے کے ہر لحاظ سے انتہائی کامل شخصیات ہوا کرتے تھے اور پھر انبیاء علیہم السلام اپنے ذاتی علم سے نہیں بلکہ وحی کے علم سے رہنمائی کرتے تھے۔

جو لوگ اپنے بھائی سے صلح نہیں کرتے اور دشمن کے ساتھ مل کر اپنے بھائی کو ختم کرنے کے لئے آگے بڑھتے ہیں، ایسے

لوگ اپنے آپ کو تباہی کے دھانے کی طرف لے جارہے ہوتے ہیں:

فرمایا کہ ۱۹۹۲ء میں میرا افغانستان جانا ہوا، وہاں میں نے ۳۵ دن گزارے ہیں۔ ہم کام کرتے رہے، ان کے دانشوروں سے آہستہ آہستہ بات شروع کی کہ اب آپ لوگ ایک دوسرے کو معاف کردیں، آپس میں صلح صفائی کرلیں اور مجددی صاحب کی حکومت ہے اُن کے ساتھ مل کر ایک قوم ایک ملک بن جائیں۔ غیر ملکی فوجیں یہاں سے نکل جائیں۔ اچانک میں نے یہ بات کہہ دی کہ شمالی اتحاد والوں کو بھی معاف کردیں۔ اس بات پر جلال آباد کی مرکزی مسجد کا امام گرم ہوگیا۔ اُس نے کہا: کیوں معاف کردیں؟ یہ تو کافر ہیں۔ میں نے کہا کہ اُنہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا ہے، اس کو تم مان لو۔ تو بولا...میں نہیں مانتا۔ میں نے کہا جو اپنے آپ کو مسلمان کہہ دے تو اگر مسلمان نہ بھی ہو تو منافق ہوگیا، دل کا حال تو اللہ کو پتہ ہے اور منافق کے ساتھ سارا معاملہ مسلمان کا کرنا ہوتا ہے۔ تو وہ مولوی صاحب کہنے لگا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں یہ بات تھی......اب نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اس پر مجھے کوئی آیت یا حدیث بتاؤ جس سے یہ پتہ چلے کہ اُس زمانے میں وہ معاملہ تھا اور اب اس طرح نہیں ہے۔ آدمی تھا عالم، سمجھ گیا کہ بات تو یہ ٹھیک کہہ رہا ہے اور میں غلط کہہ رہا ہوں۔ اُس نے کہا اگر تم نے پھر ایسی باتیں کیں تو یہاں وقت نہیں گزار سکو گے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے، اپنا کام کرو، لگے رہو۔ واپس آیا تو یہاں کے لوگوں نے پوچھا کہ وہاں کیا دیکھ کر آئے ہو۔ میں نے کہا میں یہ دیکھ کر آیا ہوں کہ یہ پچیس سال مزید لڑیں گے۔ ۲۰۱۲ء ہے تو سن ۹۲ء سے اب تک بیس سال ان کے لڑنے کے ہوگئے ہیں، پانچ سال ابھی باقی ہیں ان کے لڑنے کے۔ کیونکہ اپنے بھائی سے صلح نہیں کرسکتے اور دشمن کے ساتھ مل کر اپنے بھائی کو ختم کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایک اہم گزارش

(ڈاکٹر امجد شاہ، وائس پرنسپل، پشاور ڈینٹل کالج، پشاور)

حضرت کی غیر موجودگی میں اتوار کی مجلسِ ذکر میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک مجلس میں الطاف صاحب نے بیان کیا، دل نے محسوس کیا کہ حضرت تو نہیں آئے، اس لئے آنے کا کیا فائدہ۔ لیکن پھر خیال آیا کہ آنے کا مقصد تو صرف اللہ کی رضا کے لئے ہے۔ اس لئے اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ جب بیان شروع ہوا تو پتہ چلا کہ یہ تو بہت اصلاحی اور جامع بیان ہے اور اپنے وسوسے پر بڑی پشیمانی ہوئی۔ مجلس کے بعد میں سوچ رہا تھا کہ حضرت نے اپنا کام کر دیا ہے۔ شمعیں لگا دی ہیں جن کی روشنی دوسروں تک پہنچتی رہے گی اور لوگوں کو نفع دیتی رہے گی۔ اس طرح دو مزید مجالسِ ذکر میں الطاف صاحب کے بیان سے استفادہ حاصل کیا۔ ایک مجلس میں مفتی آفتاب عالم صاحب نے بیان کیا۔ ایک مجلس میں جناب مولانا ڈاکٹر عبید اللہ صاحب نے حضرت کی غیر موجودگی میں اتوار کی مجلسِ ذکر میں بیان کیا۔ مجھے اس بات کا علم تو نہیں کہ حضرت کے بیرون ملک دوروں کے علاوہ کتنے مجالسِ ذکر میں انہوں نے اپنے غیر موجودگی میں کتنے خلفاء کو یہ ذمہ داری سونپی لیکن میں نے ان پانچ مجالسِ ذکر میں شرکت کی۔ مجھے ان میں شرکت کر کے بڑی خوشی محسوس ہوئی اور بہت زیادہ دینی اور روحانی فائدہ حاصل ہوا۔ حضرت کو بہت دعائیں دیں اور ان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ہمارے لئے بہت اچھا بندوبست کیا ہوا ہے۔ لیکن اب ہم ان سے کتنا فائدہ حاصل کرتے ہیں، اس کا انحصار ہم پر ہے۔ ان سب حضرات کے بیان میں حضرت کی جھلک دکھائی دی اور اسی طرح کی باتیں کہیں جو کیفیات پیدا کر رہی تھیں۔ حضرت کی کمی تو بہرحال محسوس ہوئی کیونکہ وہ تو ایک طبعی عنصر تھا لیکن ان بیانات سے جو ایک خاص بات سامنے آئی وہ یہ ہے کہ یہ حضرات حضرت کے مشن کے تسلسل کو ٹوٹنے نہیں دیں گے۔

ان مجالس میں ایک یہ بات دیکھنے میں آئی کہ ساتھیوں کی تعداد بہت کم تھی، ایسے ساتھی

بھی غیر حاضر تھے جو حضرت مدظلہٗ کی موجودگی میں باقاعدگی سے آتے ہیں۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ ساتھی حضرت کے ساتھ کہیں سفر پر گئے ہوں لیکن سب ساتھی تو ساتھ نہیں جا سکتے۔اس لئے ایسے ساتھیوں سے گزارش ہے کہ اگر انہیں پہلے سے علم ہو جائے کہ حضرت مجلس میں تشریف نہیں لائیں گے تو انہیں چاہئے کہ بغیر عذر کے مجالس سے غیر حاضر نہ ہوا کریں۔کیونکہ جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو سننے میں آیا ہے کہ اس کی گلی کا کتا بھی اچھا لگتا ہے۔ارے بھائی! یہ تو حضرت کے خلفاء ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جن کو حضرت نے محض تقویٰ کی بنیاد پر اس مقام پر فائز کیا ہے۔یہ تو پھل دار پودے ہیں جو ہمارے لئے لگا دئے گئے ہیں۔کاش! ہم ان کے مقام کو پہچانیں۔یہ تو خلفاء ہیں، حضرت کے ہر مرید کے لئے دل میں محبت پیدا کرنی چاہئے۔جو عہدے کے لحاظ سے کمزور ہیں ان کی زیادہ عزت کرنی چاہئے کیونکہ عزت کا معیار تو تقویٰ ہے اور یہی بات اللہ تبارک وتعالیٰ کے قریب کرتی ہے۔

وہ ساتھی خاص طور پر قابلِ قدر ہیں جو ادارے کی خدمت پر مامور ہیں۔وہ ادارے کے بہترین ساتھیوں میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن سے دین کا کام لے رہا ہے۔ہم تو صرف آنسو بہانے والے اور نعرے لگانے والے لوگ ہیں جو مجلس میں آتے ہیں، بیان سنتے ہیں اور بس۔لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات سے پوری اُمید ہے کہ اُن کی برکت سے ہماری بھی مغفرت ہو جائے گی۔اس لئے ان ساتھیوں اور ان مجالس کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ساتھی وہ ہے جو ساتھ رہے اور ساتھ دے۔

مجلس میں کچھ ایسے ساتھی بھی دکھائی دیتے ہیں جو دنیاوی لحاظ سے اچھے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔اُن کے ساتھ دنیاوی غرض سے تعلقات بڑھانا غیر اللہ میں شامل ہو جاتا ہے۔کچھ عرصہ پہلے مجھے پشاور یونیورسٹی کی سیکریسی سے اپنی ڈی ایم سی نکالنی تھی۔جب میں وہاں پہنچا تو بہت رش تھا۔مجھے وہاں حضرت کا ایک مرید نظر آیا جو شعبۂ سیکریسی میں تعینات تھا۔اس نے میری طرف کوئی توجہ نہیں دی۔میں اس کو پہچانتا تھا لیکن نام نہیں آتا تھا۔شاید وہ مجھے نہیں پہچانتا تھا۔میں

نے اُسے آواز دینا مناسب نہیں سمجھا۔ دل نے محسوس کیا کہ کیسا آدمی ہے کہ مجھے لفٹ ہی نہیں کرائی۔ اگر وہ توجہ دیتا تو میرا کام سہولت سے ہو جاتا۔ فوراً دل میں خیال آیا کہ کام میں آسانی پیدا کرنا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ بڑی پشیمانی ہوئی کہ اپنے ساتھی کے بارے میں بدگمانی کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا تھا۔ استغفار کیا اور اللہ سے دعا کی۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص آیا اس سے بات کی اور میرا کام کرنے چلا گیا۔ غالباً وہ بھی سیکریسی کا کوئی ملازم تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمائی اور میرا کام ہو گیا۔ اس لئے سلسلے کو دنیا کی نیت سے استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ ہاں اگر آپ کسی بھی اعتبار سے دوسرے ساتھیوں کی مدد کر سکتے ہیں تو دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ اہلِ تقویٰ کا تو خاص خیال رکھیں کیا معلوم کس کی دعا سے ہمارا بھی بیڑا پار ہو جائے اور ہم منزل پر پہنچ جائیں۔

بات مجالس ذکر کی اور حضرت کے خلفاء کی ہو رہی تھی۔ اس سلسلے میں ایک اور گزارش یہ ہے کہ ان کی کسی بات پر اعتراض سے گریز کریں کیونکہ یہ بڑے خسارے کی بات ہے۔ ان پر اعتراض گویا حضرت پر اعتراض ہے۔ ہمیں تو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے۔ مشاہدے کی بات ہے کہ جو دوسروں پر اعتراض کرتا رہتا ہے خاص کر اہل تقویٰ اور علماء پر تو وہ کبھی اپنی اصلاح نہیں کر پاتا بلکہ اس کا انجام خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کا شعر ہے

؎ نہ تھی اپنے گناہوں کی جب خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی خطاؤں پہ جب نظر تو نظر میں کوئی برا نہ رہا

حضرت سید سلیمان ندوی صاحبؒ کا شعر ہے

؎ جب سے اے دل اپنے عیبوں پر نظر اپنی پڑی
اپنے دعوائے ہنر سے شرم سی آنے لگی

ایک ساتھی نے عبید اللہ صاحب کے بیان کے دوران اعتراض کیا۔ عبید اللہ صاحب نے بہت خوبصورت انداز میں مسکرا کر اس اعتراض کو ٹال دیا اور خوبصورتی سے اپنا بیان دوسری طرف موڑ دیا تا کہ اعتراض کرنے والے کی اصلاح بھی ہو جائے اور بدمزگی بھی نہ ہو۔ (باقی آخری صفحہ پر)

بالا کوٹ کا سفر

(سید قسیم شاہ جماعت چہارم ولد ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب)

میں کلاس چہارم کا طالبعلم ہوں۔ میرا سالانہ اجتماع میں دوسری دفعہ جانا ہوا۔ پہلی بار میں ایبٹ آباد اجتماع میں گیا۔ اس دفعہ میں اپنی دادی اور والدہ کی اجازت سے ابو کے ساتھ بالاکوٹ جانے کے لئے تیار ہوا۔ مجھے شروع ہی سے پہاڑی علاقوں کی سیر کا شوق ہے، ہم بالاکوٹ کے لئے جمعہ کے دن بس میں صبح نو بج کر بیس منٹ پر سوار ہوئے، بس میں تقریباً تیس لوگ موجود تھے۔ سب ساتھیوں نے سفر کی دعا پڑھی اور بس روانہ ہوگئی۔ حسن ابدال میں جمعہ کی نماز ادا کی، گاڑی چونکہ اندر سے ٹھنڈی تھی اس لئے سفر کی تھکاوٹ کا پتہ نہ چلا۔ راستے میں ایک جگہ رک کر اپنے ساتھ لایا ہوا کھانا سب نے مل کر کھایا، کھانا کھانے کے بعد ہم پھر روانہ ہوئے۔ مانسہرہ شہر سے پہلے ایک سڑک پر جو شہر کے پچھلی سمت میں بنائی گئی تھی (بائی پاس روڈ) پر جانے کا اتفاق ہوا۔ اس سڑک پر آگے جا کر ایک جگہ سے سارا مانسہرہ شہر اور پورا میدانِ پکھلی پہاڑوں میں گھرا ہوا نظر آرہا تھا۔ بہت ہی خوبصورت منظر تھا، دل بہت خوش ہوا۔ راستے میں ایک ڈاکٹر چچا نے سب بس والوں کو دو دو آم کھلائے۔ شام کے قریب ہم بالاکوٹ کی وادی میں پہنچے تو دریائے کنہار کے بہتے پانی کا شور سنائی دیا، ہوا ٹھنڈی تھی۔ جس مسجد میں ہمارا قیام تھا، وہ بہت خوبصورت اور کشادہ بنی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی دریائے کنہار بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ ہم پہنچتے ہی شام کے بیان میں شامل ہوئے۔ بیان ختم ہونے پر ہم نے گاڑی سے سامان اتارا، میرے جوتے جگہ پر موجود نہ ہونے کی وجہ سے میں پریشان ہوگیا۔ ابو نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ جس نے بھی جوتے اٹھائے ہیں، اسے میں ہدیہ کروں تاکہ چوری کے جرم میں وہ کل قیامت کے دن پکڑا نہ جائے۔ بابا جی بھی رات کو پہنچ آئے، رات وہاں ٹھنڈی تھی، پنکھے کی ضرورت نہیں تھی۔ صبح مجھے تو نیند کی وجہ سے اٹھنا مشکل تھا۔ مگر جیسے تیسے نماز پڑھ لی لیکن صبح کے بیان میں شامل نہ ہوا۔ ناشتے کے بعد ہم شاہ اسماعیل شہید ؒ کے مزار پر حاضری کے لئے راوانہ ہوئے۔

راستے میں میرے بڑے چچا جان کرنل خالد صاحب نے شہدائے بالاکوٹ کی کہانی بھی سنائی کہ کس طرح سید احمد شہیدؒ اور اس کے ساتھیوں کو جہاد کے مقصد میں ناکام کرنے کے لئے اپنے ہی مسلمانوں نے دھوکے دیئے اور کس طرح اس وادی بالاکوٹ میں چھ سو مجاہدین نے تیس ہزار سکھوں کی فوج کے ساتھ مقابلہ کیا، جن میں سے اکثر شہید ہوگئے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مزار پر حاضر ہوئے اور دعا کی، میں نے بھی دین پر قربان ہونے کی نیت کی۔ راستے میں مختلف مقامات پر زلزلے سے متاثر مکانات پر نظر پڑی جو زلزلے میں تباہ ہو گئے تھے۔ تقریباً سارا ہی بالاکوٹ تباہ ہو گیا تھا۔ اب وہاں پر نئے مکانات تعمیر کر دیئے گئے ہیں۔ جو بنے بنائے لگتے ہیں۔ صبح کے وقت دس بجے کے بیان میں اوپری منزل پر بیٹھا بیان سن رہا تھا کہ اچانک باباجی کو غصہ میں دیکھ کر میں نیچے آیا کہ دیکھوں کہ باباجی لوگوں پر کیوں غصہ کر رہے ہیں۔ میں نے دیکھا غصہ میں باباجی نے ایک ساتھی کو مکے بھی لگا دیئے۔ میں حیران تھا کہ باباجی کو آخر کیا ہو گیا ہے گھر میں تو ایسا غصہ نہیں کرتے۔ بعد میں ابو سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ دینی غیرت کا بیان کر رہے تھے۔ اس بیان کے جوش وخروش میں اپنے خاص ساتھیوں کو جو آگے بیٹھتے ہی اس لئے ہیں کو خوب مکے مارے۔ مضمون یہ تھا کہ جو لوگ یہودیوں اور قادیانیوں کی مصنوعات استعمال کرتے ہیں گویا اُن کو مسلمانوں پر بمباری کے لئے چندہ دے رہے ہیں۔

آخری دن بیان میں، میں نے لوگوں کو روتے دیکھا۔ ایک مرتبہ دورانِ بیان ایک ساتھی نے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس پر مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے زور سے اللہ اکبر کہا میرا تو دل کانپ اُٹھا۔ مجھے تو باباجی کی باتیں سمجھ میں نہ آئی لیکن لوگوں کو خاموشی سے بیان سنتے اور روتے دیکھ کر نیز نعرے سن کر میں نے محسوس کیا کہ ضرور باتوں میں اثر ہوگا۔ نعتیں سننے پر بڑا مزہ آیا۔ سارے ساتھیوں کو دعا کے بعد خوش وخرم دیکھا۔ ایسے اجتماعات ہر سال ہونے چاہئیے جس میں ہم سیر وتفریح کے ساتھ دینی ماحول سے بھی فائدہ اٹھالیتے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد ہماری واپسی بخیر وعافیت ہوئی۔ بالاکوٹ کا اجتماع میرے لئے ایک یادگار سفر رہے گا۔

فنا فی المال۔ ھائے پیسہ وائے پیسہ (قسط۔۸)

(ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر آف میڈیسن، کوہاٹ میڈیکل کالج)

میں ایک مرتبہ کچھ ضروری کام سے ایک ڈاکٹر سے ملنے گیا۔ وہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ مریض کے معائنے کے لئے اندر کمرے میں ہے۔ میں اندر چلا گیا، وہاں ملاقات ہوئی تو وہ انڈوسکوپی کرنے والا تھا۔ میں بھی ساتھ کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے مختصر معائنہ کرنے کے بعد مریض کو اٹھا دیا۔ باہر فیس لے کر دوائی کا نسخہ ہاتھ میں تھما کر رخصت کر دیا۔ انڈوسکوپی کی ذریعے خوارک کی نالی، معدہ اور چھوٹی آنت کا اوپر کا حصہ دیکھا جاتا ہے۔ اس ڈاکٹر صاحب نے صرف منہ کے ساتھ گلہ اور خوراک کی نالی کا اوپری حصہ دیکھ کر مریض کو رخصت کر دیا تھا۔ مریض کو تکلیف معدے کی تھی۔ بہر حال میں نے ازراہ مزاح پوچھا کہ انڈوسکوپی بہت جلدی کر لیتے ہیں آپ۔ جواباً کہنے لگا پیسے لینے ہیں میں نے، نہ کہ تفصیلی ٹسٹ کرنا ہے۔ یہ بے وقوف آدمی ہے، اس کو کیا پتہ کہ ہم نے کیا کیا اور کیا کرنا ہوتا ہے۔ بس مریض مطمئن ہو جاتا ہے اور پیسے ہماری جیب میں۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو کیا جواب دیں گے جب وہاں حاضری ہوگی۔ میں اپنا کام کر کے وہاں سے واپس چلا گیا۔ راستے میں سوچتا رہا کہ کتنا آسان ہے مجبور شخص کو دھوکہ دینا۔ ایسے ڈاکٹر کبھی مطمئن نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ ان کی زندگی تنگ ہی رکھتے ہیں، ان کی ضروریات کبھی ختم نہیں ہوتیں اور ہمیشہ مفلس ہی رہتے ہیں۔ آمدنی جتنی زیادہ ہو ضرورتیں اُتنی ہی بڑھتی جاتی ہیں۔

میں ایک دفعہ ایک ساتھی کے پاس کسی کام کے سلسلے میں بیٹھا ہوا تھا اس نے ڈاکٹروں کا تذکرہ کیا کہ کیسے پیسے بٹورنے کا فن ان لوگوں کو آتا ہے۔ نام لئے بغیر وہ ڈاکٹروں کی برائیاں بیان کرتا رہا۔ پھر ایک ڈاکٹر کے مریض میرے سامنے گن کر پیسے کا حساب کرنے بیٹھ گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس ڈاکٹر صاحب کے پیسے گنتے ہوئے اور اپنے ہاتھوں کو ملتے ہوئے اس کے منہ میں بھی پانی آ رہا ہے جب۔ اس کی باتیں ختم ہوئیں تو میں نے کہا کہ پیسے وہ ڈاکٹر کماتا ہے اور اس کے

خزانچی آپ بن رہے ہیں۔ مزہ میں تو وہ ہے اور اس کے کمانے کی تکلیف مجھے ہو رہی ہو۔ حسد اسی کو تو کہتے ہیں۔ خواہ مخواہ پرائی دولت پر جلنا۔ مال وہ کماتا ہے تکلیف مجھے ہو رہی ہے۔ پیسے کی حرص شائد مجھ میں تجھ میں اس سے کہیں زیادہ ہے اس لئے تُو اس کے مریض گن گن کر اپنے آپ کو تکلیف دے رہا ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں نفس کی خباثت اور خیر کے سلسلے میں دل کا بخیل ہونا بھی حسد کا بڑا سبب ہے۔ جب ان لوگوں کے سامنے کسی شخص کا حال بیان کیا جائے گا اور ان کے علم میں یہ بات آئے گی کہ وہ فلاں نعمت خداوندی سے بہرہ ور ہے تو ان کے سینے پر سانپ لوٹیں گے اور جب انہیں بتایا جائے گا کہ فلاں شخص آج کل پریشانیوں سے گزر رہا ہے اسے اپنے مقاصد میں ناکامی ہوئی ہے یا وہ اقتصادی تنگی کا شکار ہے یہ سن کر ان بد باطن لوگوں کو دلی مسرت ہوگی۔ ان لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ فلاں شخص کبھی فلاح نہ پائے وہ دوسروں پر باری تعالیٰ کے انعامات کی بارش دیکھ کر اس طرح مضطرب ہوتے ہیں، گویا وہ انعامات ان کے خزانۂ خاص سے چھین کر دیئے گئے ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ بخیل وہ شخص ہے جو اپنے مال میں بخل کرے۔ اور شحیح وہ ہے جو دوسرے کے مال میں بخیل ہو یہ لوگ گویا اللہ کی نعمت میں بخل کرتے ہیں اور ان لوگوں سے جلتے ہیں جن سے نہ انہیں کوئی دشمنی ہے اور نہ ان کے مابین کسی قسم کا کوئی ربط ہے۔ اس حسد کا ظاہری سبب خباثت نفس کے علاوہ دوسرا نہیں ہے۔ یہ اس طبعی رذالت کا ردعمل ہے جو جبلت بن چکی ہے۔ (جبلت۔۔وہ حالت جو باطن میں پکی ہو چکی ہو)

(احیاء العلوم، جلد سوئم، صفحہ ۲۹۵)

ہمارے ہاں یہ بیماری عام ہے کہ دوسروں کی برائیاں اور دوسروں کے حالات ہماری مجلس کی گفتگو ہوتی ہے۔ نقص اپنے اندر ہوتا ہے اور اپنے ہی نقائص کو اپنی ہی زبان سے بول رہے ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دوسروں میں نقص ہے اس لئے کہ مؤمن مؤمن کے لئے آئینہ ہوتا ہے۔ دوسروں میں اپنی شکل واضح دیکھ سکتا ہے۔ میں ایک دفعہ ڈبگری گارڈن میں گیا جہاں بہت سے

ڈاکٹر بیٹھتے ہیں۔راستے میں چلتے ہوئے ایک مریض سے ملاقات ہوئی۔میں نے پوچھا یہاں کیسے آئے ہو؟ اُس نے کہا بیمار رہوں۔ایک ڈاکٹر کا نام لے کر بتایا کہ اس کے پاس آیا تھا۔اس نے معائنہ کردیا ہے۔اب واپسی ہے۔اس کے منہ سے جس ڈاکٹر صاحب کا نام نکلا تھا،اس کے ہاتھ کا نسخہ اس کے مطابق نہیں تھا،یعنی آیا کسی کے لئے تھا،دیکھا کسی اور نے۔میں نے کہا یہ ڈاکٹر صاحب جس کے پاس آپ آئے تھے،کیا وہ چھٹی پر تھا کہ اس دوسرے ڈاکٹر کو دکھا دیا۔کہا نہیں جب میں یہاں آیا تو ایک آدمی مجھے ملا اور کہا کہ میں تمہیں تمہارے ڈاکٹر کے پاس لے جانے میں مدد کرتا ہوں،مجھے تمہاری خدمت کا ثواب ملے گا۔مجھے اس بھلے مانس انسان نے اس ڈاکٹر صاحب کے منشی کے پاس لے جاکر ساتھ سفارش کر کے بٹھا دیا اور خود چلا گیا۔اگر وہ نہ ملتا تو میں یہاں کہا بھٹکتا پھرتا۔مجھے اس سادہ لوح انسان کی سادگی پر حیرانی ہوئی۔کیونکہ جس نے مدد کی تھی،وہ ایجنٹ تھا مریض کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا اور اپنے کمیشن کے لئے کام کررہا تھا۔اس سادہ لوح انسان کے پاس جس ڈاکٹر صاحب کا پتہ تھا،وہ ایک اچھا ڈاکٹر تھا لیکن جس نے دیکھا تھا وہ عام ڈاکٹر تھا۔نسخہ پر ایسی ڈگری لکھی تھیں جس کا ڈاکٹری سے کوئی تعلق نہیں تھا۔میں نے اس سادہ لوح انسان کی مدد کی غرض سے کہا کہ جس پروفیسر کا پتہ ہے آپ کے پاس وہ بھی وہیں بیٹھتا ہے اور دیکھنے والا ڈاکٹر بھی اچھا ہے لیکن اس کا شاگرد ہے۔اس لئے میں آپ کو آپ والے ڈاکٹر صاحب کے پاس خود لے جاتا ہوں تاکہ تسلی ہوجائے اور اتنی دور سے آنے کا فائدہ پورا ہوجائے۔میں نے اپنا تعارف اس کے ساتھ ضروری سمجھا اور اس کے ساتھ مزید سیر حاصل گفتگو کر کے اس کو مذکورہ ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔وہاں پہنچ کر مختصر تفصیل سنا کر اس ڈاکٹر سے رخصت ہونے لگا تو اس نے کہا کہ یہاں پر دلال ہی دلال ہیں،مریضوں کو لوٹنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔میں اس سے رخصت ہوا۔

آجکل ڈاکٹر او ڈاکو میں فرق نہیں رہا۔پیسے کی حرص نے حلال حرام کی تمیز نہیں چھوڑی۔ ڈبگری گارڈن میں ایسے ڈاکٹر بھی بیٹھے ہوئے ہیں جن کے پاس اسپیشلسٹ کی ڈگری سرے سے ہے ہی نہیں۔ہمارے پیر بھائی میجر ڈاکٹر لطیف الرحمٰن کا ایک رشتہ دار دماغی آپریشن کے لئے آیا۔

میجر صاحب نے اُن سے کہا بھی تھا کہ وہاں پروفیسر ڈاکٹر فدا محمد صاحب سے مشورہ کر لینا۔ اُن کو مشورہ کی کیا ضرورت، پیسے اُن کی جیب میں اور ڈبگری گارڈن سامنے جہاں اسپیشلسٹ ڈاکٹر بیٹھتے ہیں۔ وہاں پہنچے تو ایک دلال کے ہاتھ چڑھے جو انہیں ایک نیورو سرجن کے پاس لے گیا۔ اسی ہزار نیورو سرجن کی جیب میں اور جنازہ اُن کے حوالے۔ پھر خیال ہوا کہ ڈاکٹر فدا صاحب سے مشورہ کر لیں۔ اُن کے مشورہ کرنے پر معلوم ہوا کہ متعلقہ ڈاکٹر لیڈی ریڈنگ ہسپتال کا کوئی میڈیکل آفیسر تھا جو نیورو سرجری وارڈ کا آدمی ہی نہیں تھا۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ 'غفلت میں رکھا تم کو زیادتی کی حرص نے، ابن آدم کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا اس قدر ہے جتنا تو نے کھا کر فنا کر دیا، پہن کر پرانا کر دیا، صدقہ کر کے باقی رکھ چھوڑا۔ (مسلم۔ از احیاء العلوم جلد سوم ۳۰۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا میں تجھے دنیا اور اس کی تمام چیزیں دکھا دوں؟ میں نے عرض کیا ضرور دکھلائیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے مدینہ کی ایک وادی میں لے گئے۔ وہاں ایک کوڑی (گندگی کا ڈھیر) تھی جس پر کھوپڑیاں، نجاستیں، ہڈیاں اور گندے چیتھرے پڑے ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا' یہ سر ایسے ہی حرص کرتے تھے جیسے تم کرتے ہو، اور ایسے ہی امیدیں کرتے تھے جیسے تم کرتے ہو۔ پھر وہ آج بغیر کھال کی ہڈیاں بن گئے ہیں، نہ جانے کہاں کہاں سے کمائے تھے، پھر ان کھانوں کو انہوں اپنے پیٹوں میں انڈیلا اور آج یہ حالت ہو گئی کہ لوگ ان سے بچتے ہیں اور یہ بوسیدہ چیتھڑے ان کا لباس تھے، آج یہ ہوا سے مارے مارے پھرتے ہیں اور یہ ہڈیاں ان کے جانوروں کی ہڈیاں ہیں جن پر سوار ہو کر وہ شہر شہر گھوما کرتے تھے۔ جو شخص دنیا پر رو سکے روئے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب تک ہم خوب نہ روئے وہاں سے نہ ہٹے۔

(از احیاء العلوم جلد سوم ۳۰۹)

میں ایک جگہ کلینک کرتا تھا۔ ایک دفعہ عصر کی نماز پڑھ کر میں واپس ہوا تو راستے میں

ہمارے سنٹر کی لیبارٹری والے نے مجھے بتایا کہ یہاں کا چوکیدار آپ کے مریضوں سے اضافی پیسے لے کر نمبر آگے پیچھے کرتا ہے۔ میری طبیعت پر بوجھ ڈال کر وہ اپنی لیبارٹری کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے اپنے ساتھ کام کرنے والے سے تحقیق کرنے کو کہا کہ چوکیدار سے پوچھے۔ کیونکہ ہر بات کی تحقیق فیصلے کرنے سے پہلے ضروری ہوتی ہے۔ حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا جب تم سے کوئی شخص آ کر کسی کی شکایت کرے کہ فلاں نے میری دونوں آنکھیں نکال دیں اور واقعہ میں بھی اس کی دونوں آنکھیں نکلی ہوئی ہوں تو اس وقت تک اس کے متعلق کوئی رائے قائم نہ کرو جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو۔ کیا خبر ہے کہ اس نے خود پہل کی ہو اور اس نے اس سے پہلے چار آنکھیں نکال دی ہو۔ (از فضائل صدقات حصہ دوم ۱۴۳) میرے ساتھ کام کرنے والے نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب یہ بات تو چغلی لگتی ہے کیونکہ چوکیدار کے اختیار میں یہ نہیں کہ کسی کو نمبر دیں۔ بہر حال اس نے پوچھا تو چوکیدار نے قسمیہ کہا کہ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ البتہ جس بندے نے میری چغلی کی ہے اس کے متعلق میں نے اس سنٹر کے مالک ڈاکٹر صاحب کو شکایت ضرور کی تھی کہ یہ وقت پر نہیں آتا اور وقت سے پہلے چلا جاتا ہے۔ یہ کام مجھے بتایا گیا تھا کہ کام کرنے والوں کے متعلق میں مالک کو بتاؤں۔ اس شکایت کی بدولت اس بندے نے میری چغلی آپ کے ڈاکٹر صاحب سے کی۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ آدمی نماز بھی پڑھتا ہے، نیک کام بھی کرتا ہے، باشرع بھی ہے، لیکن اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر دوسرے مسلمان کے خلاف بولنے میں اندیشۂ آخرت نہیں رکھا اور چغلی کھانے میں احتیاط نہیں کی تو اس کی یہ عبادات اللہ کے ہاں کہاں قبول ہوں گی۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ 'چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا' (بخاری و مسلم ابوحذیفہ ؓ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی کھائیں اور دوستوں میں تفریق پیدا کردیں۔ (احمد اسماء بنت یزیدؓ از احیاء العلوم جلد دوم ص ۹۲)

ہمارے ذکر کے مجلس میں ایک ساتھی آتے جاتے ہیں۔ حضرت صاحب سے بیعت بھی ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ اپنا واقعہ سنایا کہ میں تبلیغی جماعت میں وقت لگاتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ

ہماری تشکیل ایک سال میں جانے کا اردہ کئے ہوئے ساتھی کو وصول کرنے کے لئے ہوئی۔ ہم اس کے گھر میں گئے۔ وہ ایک غریب آدمی تھا۔ اس کو تیاری کی بابت بات ہوئی، پیسے جمع کرنے اور باقی سامان کے متعلق ساتھی نے اس کی راہنمائی کی۔ وہ گھر کی کچھ اشیاء کو بیچنے پر تیار ہوا۔ اس میں وہ ایک پستول بھی بیچنا چاہتا تھا۔ جس کی قیمت آٹھ ہزار سے دس ہزار بنتی تھی۔ ترغیب دینے والے ساتھی نے کہا کہ یہ پستول تو میں لے لوں گا۔ چونکہ بالکل نیا نہیں ہے اس لئے اس کی قیمت تین ہزار بنتی ہے۔ سودا طے ہو گیا۔ اُس بیچارے نے مجبور ہو کر پستول حوالے کر دیا۔ میں دل میں بہت خفا ہوا کہ اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر امیر صاحب نے کم قیمت پر اس کی چیز لے لی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ پوری قیمت کے بجائے زیادہ قیمت دیتے تا کہ اس کو مالی فائدہ ہوتا اور وہ اللہ کے راستے میں پیسا لگا تا تو دونوں کو فائدہ ہوتا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو موقع کی تلاش میں نہیں رہنا چاہئے اور نہ صاحبِ مال کی غفلت سے فائدہ اٹھانا چاہئے کہ بائع کو قیمتوں کے اضافے سے اور مشتری کو کمی سے مطلع نہ کرے۔ اگر ایسا کیا تو یہ عدل کے خلاف بھی ہوگا اور مسلمانوں کے ساتھ بدخواہی کے مترادف ہوگا۔ (از احیاء العلوم جلد دوم ۱۳۲) ان معاملات میں احسان کرنا ترقی درجات کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں 'ان اللّٰہ یأمرکم بالعدل والاحسان' (پ ع ۱۹، آیت ۹۰) (بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان کا حکم فرماتے ہیں) دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں 'احسن کما احسن اللّٰہ الیک' (پ۲، ۱۱ آیت ۲۶) (جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر)۔ تجارت ایک کسوٹی ہے، اس سے انسان کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

لایغرنک من المرء قمیص رقعہ　　　اوازار فوق کعب الساق منہ رفعہ
اوجبین لاح فیہ اثر قد قلعہ　　　ولدی الدرہم فانظر غیہ اورورعہ

ترجمہ:۔ آدمی کی قمیص میں لگے ہوئے پیوند سے یا پنڈلی تک اٹھے ہوئے پاجامے سے یا پیشانی کے نشان سے دھوکے میں مت آنا۔ جب تک مال کے سلسلے میں اس کی گمراہی یا تقویٰ کا

امتحان نہ لے لو۔ (از احیاء العلوم جلد دوم ص ۱۳۷)

انسان ساری زندگی دینی تحریکات میں چلتا رہتا ہے اور اپنے آپ کو فرشتہ صفت انسان بھی سمجھتا ہے لیکن چونکہ صحبت اہل اللہ سے نہیں گزرتا اس لئے ان دل کی خرابیوں پر مطلع نہیں ہوتا۔ حضرت حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہ اپنی کتاب معارف ربانی میں فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالغنیؒ (حکیم صاحب کے شیخ) نے مجھ سے خود فرمایا کہ جب تک میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے بیعت نہیں ہوا تھا، اللہ اللہ نہیں کیا تھا، جانتا ہی نہیں تھا کہ ذکر کیا چیز ہے لیکن جب حضرت تھانوی سے تعلق قائم ہوا، تب ذکر کا مزہ آیا ورنہ بیضاوی، منطق اور فلسفہ پڑھتے رہے لیکن سب کچھ صرف زبان پر تھا، دل خالی اور ویران تھا۔ اس کی مثال حضرت حکیم اختر صاحب نے لکھی کہ میں اس کی مثال دیتا ہوں کہ جیسے اعلان ہو جائے کہ اس خیمہ میں لیلیٰ ہے لیکن جب خیمہ کے اندر گئے تو دیکھا کہ اندر کتا بندھا ہوا ہے۔ ہماری ڈاڑھیاں، ہماری ٹوپیاں یہ مولیٰ کے خیمے ہیں۔ ہمارے دل میں مولیٰ نہیں ہیں۔ جب انسان ان لوگوں کو آزماتا ہے، ان کے ساتھ رہتا ہے، تب پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کس کے روپیہ پر قبضہ کرلیا، کسی کا حق مارلیا۔ ایک صاحب نے مجھ سے پیسہ لیا کہ ہم کیلے بیچیں گے اور ہر مہینہ آپ کو نفع دیں گے۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ میرا پیسہ لے کر تبلیغ میں چلا گیا۔ میں نے سمجھا شاید بعد میں آکر دے دے گا۔ آج بارہ سال ہو گئے ایک پیسہ واپس نہیں کیا۔ بتاؤ! یہ کیا ہے؟ خیمہ تو ہے مگر لیلیٰ نہیں ہے۔ لیلیٰ کے بجائے کتا اور سور بندھا ہوا ہے۔ اس شخص کو کم از کم مجھ سے معافی تو مانگنی چاہئے تھی۔ اگر پیسہ نہیں دے سکتا تھا تو میرے پاس آنا چاہئے تھا کہ میں نے آپ کا اتنا روپیہ ضائع کردیا مجھے معاف کردیجئے۔ لیکن یہ کیسا دین ہے؟ ایسوں کو دین کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اس لئے کہتا ہوں کہ محض تبلیغی چلوں سے، ذکر و تسبیح سے، نفل حج اور عمرہ سے تقویٰ پیدا نہیں ہوتا جب تک کسی اللہ والے صاحبِ تقویٰ کی صحبت میں نہ بیٹھیں۔

یأیھا الذین امنوا اتقو اللّٰہ و کونو مع الصادقین (سورۂ توبہ آیت ۱۱۷)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں انسانیت سکھائی جاتی ہے۔اور اگر انسان میں عبدیت پیدا ہو جائے تو وہ انسان ہے ورنہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔اس کے متعلق مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

ے گر بصورت آدمی انسان بدے　　احمد و بوجہل ہم یکساں بدے

اگر ظاہری صورت سے آدمی انسان بن جاتا تو حضور اقدس ﷺ اور ابوجہل یکساں ہوتے۔
حضرت تھانویؒ نے ایک شعر لکھا ہے

ے زاہد شدی و شیخ شدی دانشمند　　ایں جملہ شدی و لے مسلمان نہ شدی

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ میں نے اس کو اس طرح بدل دیا ہے اس لئے کہ جملہ سخت ہے کہ مسلمان نہ شدی

ے زاہد شدی و شیخ شدی دانشمند　　ایں جملہ شدی ولیکن انسان نہ شدی

ترجمہ: زاہد بنے، شیخ بنے، دانشمند بنے یہ سب کچھ تو ہو گیا لیکن انسان نہیں بنا۔

مولوی ظفر احمدؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے بیعت تھے۔ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ حضرت دعاء فرما دیجئے کہ میں صاحب نسبت ہو جاؤں۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ صاحب نسبت تو تم ہو مگر اصلاح کراؤ، اور اپنے ماموں سے کراؤ تب انہوں نے رجوع کیا۔غرض ظاہری بزرگی اور ولایت اور چیز ہے اور انسانیت اور آدمیت اور چیز ہے۔اور میں یہ بھی بتلائے دیتا ہوں کہ انسانیت اور آدمیت بدوں کسی کی جوتیاں کھائے ہوئے پیدا نہیں سکتی۔۔۔۔اگر کسی کو خداداد فہم سلیم عطا فرمایا گیا ہو تو دوسری بات ہے۔مگر اکثر یہی ہے کہ جوتیاں کھانے کی ضرورت ہے۔(ملفوظات حکیم الامت جلد ۹ ص ۳۶ اور ص ۱۳۹)

آدمی میں دینی تحریکات میں وقت گزارنے پر سطحی دین کی سمجھ تو آجاتی ہے لیکن اس میں کمی بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے۔دین کے پانچ شعبوں (عقائد۔عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرت) میں صرف کچھ ظاہری عقائد کی درستگی اور عبادات میں عادت کا بننا تو ہو جاتا ہے لیکن ان

دونوں میں پختگی کا آنا اور باقی تین شعبوں میں انسان کا صحیح استعمال ہونا بغیر سلاسل کے تربیتی نظام کے ممکن نہیں۔ کسی معاملے میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک گواہ پیش ہوا۔ آپؓ نے اس سے فرمایا کہ کسی ایسے شخص کو لے کر آؤ جو تمہیں جانتا ہو۔ چنانچہ وہ ایک شخص کو ساتھ لے کر آیا۔ اس نے گواہ مذکورہ کی بہت زیادہ تعریف کی۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے دریافت کیا، کیا اس کے قریب ترین پڑوسی ہو، اور اس کے گھر اور باہر کے حالات سے واقف ہو۔ اُس نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ کیا تم اس کے رفیقِ سفر رہ چکے ہو، سفر ہی سے حسنِ اخلاق اور بداخلاق کا صحیح اور مکمل علم ہوتا ہے۔ اس نے عرض کیا نہیں، میں نے اس کے ساتھ کبھی سفر نہیں کیا۔ اس کے بعد آپؓ نے پوچھا کہ تم نے اس کے ساتھ خرید وفرخت کے معاملات کئے ہیں، دینار و درہم بھی کسی شخص کے جانچنے کا بہترین معیار ہیں۔ اس شخص نے اس کی بھی نفی کی۔ آپؓ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ تم نے اس شخص کو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اور باری تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس نے کہا جی ہاں! یہی بات ہے۔ فرمایا: واپس جاؤ۔ تم اس سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔ اس کے بعد گواہ سے کہا کہ وہ دوسرے شخص کو بلا کر لائے۔ (از احیاء العلوم جلد دوم ص ۱۳۸)

☆☆☆☆☆☆☆

صفحہ ۲۳ سے آگے:

عبیداللہ صاحب کی تربیت حضرت نے کی ہے وہ بہتر جانتے ہیں کہ کونسی بات مجلس میں کہنی چاہئے اور کونسی نہیں۔ اس بارے میں ساتھیوں سے درخواست ہے کہ ان خلفاء کی مجالس میں باادب بیٹھیں اور ان تمام باتوں کا خیال کریں جو حضرت کی موجودگی میں کرتے ہیں اور مجلس کے آخر میں بیان کرنے والے سے پیار و محبت سے مصافحہ کرنا نہ بھولیں۔ اللہ تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے۔ اللہ اس دل میں بستا ہے جو عاجزی اختیار کرتا ہے۔ حضرت کے خلفاء کو معمولی آدمی نہ سمجھو، ان کی قدر کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری قدر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور ہماری بہترین رہنمائی فرمائے۔ امین۔